ہانی بن عبداللہ بن محمد جبیر
ترجمہ: عمران اسلم[1]

مجبوری کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

انسانوں کی اصلاح سے خالق حقیقی جل جلالہ سے بڑھ کر اور کون آگاہ ہو سکتا ہے، جس نے اُنہیں پیدا کیا ہے اور کوئی ذات بھی ایسی نہیں ہے جو انسانی حالات و وقائع سے اس سے زیادہ باخبر ہو۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾[2]

"کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، حالانکہ وہ باریک بین اور خبر دار ہے۔"

وہ بابرکت ذات جس نے نفس انسانی کو بنایا اور اس کی نیکی و بُرائی اور اس کے ابہام کو جانتی ہے کہ انسان کس طرح مائل بہ نیکی ہو سکتا ہے اور کیسے تقویٰ کے راستوں پر گامزن ہو سکتا ہے، اگرچہ اس دور میں نام نہاد تجدد اور آزادی کے دعویدار انسان کی فلاح کے لاکھ دعوے کریں۔ فرمان عالی شان ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۖ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴾[3]

"اور اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر دور نکل جاؤ۔"

مذہبِ اسلام میں حیاتِ دنیوی کے حوالے سے منفرد اور بے مثال ہدایات موجود ہیں۔ سعادت و کامرانی کا یہ واحد مذہب ہے جس میں بنی نوعِ انسان کی جمیع مشکلات و مصائب کا حل موجود ہے۔ ذیل میں ہم انسانی زندگی کے دو اہم مسائل "مجبوری اور غصے کی حالت میں دی گئی طلاق اور اسکے وقوع یا عدم وقوع" کے بارے فقہاے اسلام کی آرا پیش کر رہے ہیں

---

۱ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور ..... نظر ثانی: شیخ مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ

۲ الملک: ۱۴

۳ النساء: ۲۷

جس سے اسلام کے انسانیت کی فلاح وسعادت کے دعوے کی بھرپور تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں فقہا کے اَقوال واَدلہ پیش کرنے کے بعد راجح موقف کو آخر میں درج کیا جائے گا۔

'طلاق' کی لغوی تعریف

یہ مصدر ہے: طلقت المرأة وطلقت تطلق طلاقا فهي طالق سے یعنی چھوڑنا، ترک کرنا اور الگ کر دینا۔ کہا جاتا ہے: طلق البلاد یعنی اس نے شہر چھوڑ دیا، اور أطلق الأسیر یعنی قیدی کو رہا کر دیا۔ اسی طرح یہ چند دیگر معانی پر بھی دلالت کرتا ہے:

- اس کا اطلاق پاک، صاف اور حلال پر بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: هو لك طلق یعنی وہ تیرے لیے حلال ہے۔
- اسی طرح بُعد اور دوری پر بھی بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: طلق فلان "فلاں شخص دور ہوا"
- اسے خروج اور نکلنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ أنت طلق من هذا الأمر[1] "یعنی تو اس معاملے سے خارج ہے۔"

مذکورہ معانی پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو مقصود لفظ 'طلاق' اور ان میں ہم یک گونہ ربط پاتے ہیں۔ جب شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اسکو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کے لیے اسے حلال کر رہا ہوتا ہے۔ اس سے دوری اختیار کر رہا ہوتا ہے تو اس عقد سے بھی نکل رہا ہوتا ہے جو ان دونوں کو جمع کیے ہوئے تھا، چنانچہ لفظ طلاق میں یہ تمام معانی جمع ہو جاتے ہیں۔[2]

طلاق کی شرعی تعریف

طلاق کی شرعی تعریف کے سلسلہ میں فقہائے کرام کی طرف سے متعدد عبارات دیکھنے میں آئی ہیں۔ ان میں سے جامع ومانع تعریف اس طرح ہوگی:

حل قيد النكاح (وبعضه) في الحال أو المآل بلفظ مخصوص[3]
"حال یا مستقبل میں کسی مخصوص لفظ کے ساتھ نکاح کی گرہ کھولنا۔"

یہ تعریف الدر المختار کی ہے جس پر اہل علم کا اتفاق موجود ہے۔ میں نے اس میں

---

۱ اللسان: ۴/۲۶۹۶، مجمل اللغة: ۳/۳۳۰
۲ حافظ ابن حجر فی فتح الباری: ۹/۲۵۸
۳ الدر المختار: ۴۱۴۲

(وبعضہ) کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ اس میں طلاقِ رجعی بھی داخل ہو جائے۔[1]

طلاق کی مشروعیت پر دلائل

① طلاق کی مشروعیت پر کتاب وسنت اور اجماع سے بھی واضح دلائل موجود ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾[2]

"طلاق دو بار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔"

② ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾[3]

"اے نبی ﷺ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں اُنکی عدت میں طلاق دیا کرو"

③ اِرشاد نبوی ﷺ ہے: «إنما الطّلاق لمن أخذ بالساق»[4]

"طلاق کا اختیار اسی کو ہے جو پنڈلی تھامتا ہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی اور پھر ان سے رجوع کیا۔[5]

طلاق کی مشروعیت پر بیسیوں احادیث و آثار موجود ہیں۔[6]

④ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صدرِ اوّل سے لے کر موجودہ زمانہ تک طلاق کے جواز پر اجماع چلا آرہا ہے اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔[7]

مجبوری (اِکراہ) کی طلاق

الإکراہ لغوی طور پر یہ أَكْرَهَ يُكْرِهُ سے مصدر ہے۔ یعنی کسی کو ایسے کام کے کرنے یا چھوڑنے پر مجبور کیا جائے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ اصلاً یہ کلمہ رضا اور پسند کی مخالفت پر

---

۱ الروض المربع لابن قاسم: ۴۸۲۶
۲ البقرۃ: ۲۲۹
۳ الطلاق: ۱
۴ سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۱
۵ سنن نسائی: ۳۵۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۲۸۳
۶ نیل الاوطار: ۶/ ۲۴۷، جمع الفوائد: ۱/ ۶۷۱
۷ المغنی لابن قدامہ: ۱۰/ ۳۲۳

دلالت کرتا ہے۔ امام فرا کہتے ہیں:

يقال أقامني على كره ــ بالفتح ــ إذا أكرهك عليه إلىٰ أن قال: فيصير الكره بالفتح فعل المضطر[1]

''کہا جاتا ہے مجھے مجبور کیا گیا۔ یعنی جب یہ فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مجبور شخص کا فعل ہو گا۔''

اکراہ کی اصطلاحی تعریف: ''انسان کا ایسا کام کرنا یا کوئی ایسا کام چھوڑنا جس کے لیے وہ راضی نہ ہو۔ اگر اسے مجبور کیے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ایسا نہ کرے۔''

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اکراہ سے مراد آدمی کا کوئی ایسا کام کرنا ہے جو وہ کسی دوسرے کے لیے انجام دیتا ہے۔[2]

مختلف اعتبار سے اِکراہ کی متعدد اقسام ہیں۔ اِکراہ اقوال میں بھی ہو سکتا ہے اور افعال میں بھی۔ جہاں تک افعال کا تعلق ہے تو اس کی بھی دو اقسام ہیں: مجبور اور غیر مجبور۔

اَقوال میں اکراہ

علماے کرام نے اقوال میں جبر کی صحت کو تسلیم کیا اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص حرام قول پر مجبور کیا جائے، اُس پر جبر معتبر مانا جائے گا۔ اسے وہ حرام بات کہہ کر اپنے آپ کو چھڑانا جائز ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ زبردستی کا تصور تمام اقوال میں پایا جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی شخص کسی بات کے کہنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہو گا اور وہ لغو جائے گا۔

اس سلسلے میں احناف نے فسخ اور عدم فسخ کے مابین تفریق کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اکراہ خرید و فروخت اور اُجرت دینے میں ہو پھر تو وہ فسخ ہو جائے گا، لیکن طلاق، عتاق (آزادی) اور نکاح میں فسخ کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا جو شخص بیع و تجارت کے لیے مجبور کیے جانے کے بعد بیع کر لے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو اس بیع کو باقی رکھے یا پھر فسخ

---

۱ اللسان: ۵/۳۸۶۵

۲ معجم لغة الفقهاء: ص۸۵

کردے، لیکن طلاق، آزادی اور نکاح میں میں اختیار باقی نہیں رہے گا۔[1]

تاہم اس ضمن میں اگر ادلہ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے تو عدم تفریق کا قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ فرمانِ عالی شان ہے: ﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ﴾[2]

''مگر یہ کہ وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

امام شافعی اس کے متعلق فرماتے ہیں:

إن الله سبحانه وتعالىٰ لما وضع الكفر عمن تلفظ به حال الكراه أسقط عنه أحكام الكفر، كذٰلك سقط عن المكره ما دون الكفر لإن الأعظم إذا سقط سقط ما هو دونه من باب أولىٰ[3]

'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے میں رخصت عنایت کی ہے اور اس سے کفریہ احکام ساقط کیے ہیں، بالکل اسی طرح کفر کے علاوہ دیگر چیزیں بھی مجبور سے ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ جب بڑا گناہ ساقط ہو گیا تو چھوٹے گناہ تو بالاولیٰ ساقط ہو جائیں گے۔''

سیدنا عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه»[4]

''اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے خطا و نسیان اور مجبوری سے کیے جانے والے کام معاف کر دیئے ہیں۔''

ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں: ''مکرہ کی کسی کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے، قرآنِ کریم بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، وہ کافر نہیں ہو گا اور اسی طرح جو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے، اسے مسلمان بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ سنت میں بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجبور شخص سے تجاوز کیا ہے اور اس کو مؤاخذے سے بری قرار دیا ہے...... اس کے بعد امام ابن قیم اقوال اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

1 العناية والكفاية:۸/۱۶۶

2 النحل:۱۰۶

3 الام:۳/۲۷۰

4 سنن ابن ماجہ:2045

''اَقوال میں اکراہ اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق یہ ہے کہ افعال کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد اس کے مفاسد کا خاتمہ ناممکن ہے۔ جبکہ اقوال کے مفاسد کو سوئے ہوئے اور مجنون پر قیاس کرتے ہوئے دور کیا جاسکتا ہے۔''[1]

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اکراہ (جبر) کی ایک تقسیم درست اور غیر درست کے اعتبار سے بھی کی گئی ہے۔ غیر درست اکراہ تو وہ ہے کہ جس میں ظلم و زیادتی سے کوئی بات منوائی گئی ہو۔ جبکہ درست اِکراہ یہ ہے کہ جس میں حاکم کسی شخص کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے تا کہ وہ اس سے اپنا قرض ادا کرے۔[2] یا وہ ایلاء کرنے والے کو طلاق دینے پر مجبور کرے جب کہ وہ رجوع کرنے سے انکار کرے۔

اکراہ کی شرائط

اہل علم نے اکراہ کی درج ذیل شرائط کا تذکرہ کیا ہے:

① اکراہ اس شخص کی طرف سے ہو گا جو صاحب قدرت ہو جیسے حکمران۔

② مجبور کو ظن غالب ہو کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو یہ وعید اور اپنی دھمکی کو نافذ کر دے گا اور مجبور اس سے بچنے یا بھاگنے سے عاجز ہو۔

③ اکراہ ایسی چیز سے ہو جس سے مجبور کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔[3]

ان شروط پر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگوں نے چند دیگر شرائط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اکراہ کی تحدید حاکم اور مفتی کے ساتھ خاص کی جائے گی اور انہی کے ثابت کردہ اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگوں کے احوال کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔[4]

اکراہ کی صورت میں وقوعِ طلاق

اس تحریر میں مجبوری کی طلاق کو موضوعِ بحث بنانے کا مقصد اس قضیے کا حل ہے کہ ایسی

---

۱ زاد المعاد: ۵/۲۰۶، ۲۰۵

۲ جامع العلوم والحکم: ص۳۷۷

۳ شرح الکبیر: ۲/۳۶۷

۴ الکفایة: ۸/۱۶۸

طلاق وقوع پذیر ہوتی ہے یا نہیں؟

امام مالک، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہی قول عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابن زبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر کثیر جماعت کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے اس طلاق کے وقوع کا موقف اختیار کیا ہے اور یہی موقف شعبی، نخعی اور ثوری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔[1]

سببِ اختلاف یہ ہے کہ مجبور کیا جانے والا مختار ہے یا نہیں؟ کیونکہ طلاق کے الفاظ بولنے والے کا ارادہ تو طلاق دینے کا نہیں ہوتا اور وہ تو اپنے تئیں دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور وہ مجبور کرنے والے کی وعید سے بچنے کے لیے طلاق دینے کو اختیار کرلیتا ہے۔

اَحناف اور ان کے مؤیدین کے دلائل

① نصب الرایۃ میں ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا کہ اس کی بیوی نے چھری پکڑ کر اس کے گلے پر رکھی اور دھمکی دی کہ تو مجھے طلاق دے، ورنہ میں تیرا کام تمام کر دوں گی۔ اس شخص نے اسے اللہ کا واسطہ دیا لیکن وہ نہ مانی۔ لہٰذا اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاقيلولة في الطلاق»[2] "طلاق میں کوئی فسخ نہیں ہے۔"

② ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة»[3]
"تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ نکاح، طلاق اور رجوع۔"

اَحناف اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ مذاق کرنے والے کا مقصد تو وقوعِ طلاق نہیں ہوتا بلکہ اس نے فقط لفظ کا ارادہ کیا ہوتا ہے۔ اس کی طلاق کا واقع ہونا واضح

1 الکفایۃ والعنایۃ: ۳/ ۳۴۴
2 نصب الرایۃ: ۳/ ۲۲۲
3 سنن ترمذی: ۱۱۸۴

کرتا ہے کہ مجرد لفظ کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ اس طرح مجبور کو بھی مذاق کرنے والے پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کا مقصود لفظ ہوتا ہے، معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔[1]

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أربع مبهمات مقفولات ليس فيهن رد: النكاح والطلاق، والعتاق والصدقة[2]

''چار مبہم چیزیں بند کی ہوئی ان میں واپسی نہیں ہو سکتی: نکاح، طلاق، آزادی اور صدقہ''

④ ایک حدیث حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدِ گرامی سے متعلق ہے جب ان دونوں سے مشرکین نے نہ لڑنے کا حلف لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نفي لهم بعهدهم ونستعين الله عليهم»[3]

''ہم ان سے معاہدہ پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد مانگیں گے۔''

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ قسم حالت اکراہ اور غیر اکراہ میں برابر ہے۔ لہٰذا مجرد لفظ کے ساتھ کسی حکم کی نفی کے لیے اکراہ کو معتبر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ طلاق۔[4]

⑤ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ مکلف کی طرف سے ایسے محل میں طلاق ہے جس کا وہ مالک ہے لہٰذا اس پر غیر مجبور کی طلاق کے احکام مرتب ہوں گے۔[5]

دلائل کا جائزہ

① سب سے پہلے نقل کی جانے والی حدیث: لا قيلولة في الطلاق ضعیف ہے۔ امام ابن حزم اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''هٰذا خبر في غاية السقوط''[6] لہٰذا اس

---

۱ فتح القدیر: ۳/ ۳۴۴
۲ ایضاً
۳ صحیح مسلم: ۱۷۸۷
۴ فتح القدیر: ۳/ ۳۴۴
۵ الھدایۃ: ۳/ ۳۴۴
۶ المحلیٰ: ۱۰/ ۳۰۴

سے استدلال بھی ساقط ہوا۔

④ اور جو «ثلاث جدهن جد...» سے استدلال کرتے ہوئے مکرہ کو مذاق کرنے والے پر قیاس کیا گیا ہے تو یہ قیاس درست نہیں ہے۔ کیونکہ مجبور شخص نہ تو لفظ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ اس کے سبب کا وہ تو لفظ کے بولنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، اگرچہ قصد پر مجبور نہیں ہوتا جب کہ مذاق کرنے والا تو لفظ طلاق اپنے اختیار سے بولتا ہے اگرچہ اس کے سبب کا قصد نہیں کرتا۔ لہٰذا جو شخص اپنے اختیار سے سبب کو اختیار کرے اس پر تو مسبب لازم ہو جائے گا، جیسے مذاق کرنے والا ہے، لیکن مجبور نہ تو لفظ کا ارادہ کرتا ہے نہ اس کے سبب کا تو اسے مذاق کرنے والے پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟

③ ذکر کردہ حضرت عمرؓ کا قول ہمیں نہیں ملا۔ اگر ہم اس کی صحت کا اعتبار کر بھی لیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب طلاق واقع ہو جائے گی تو پھر دوبارہ لوٹنا ممکن نہیں رہے گا جبکہ مکرہ کی طلاق تو واقع ہی نہیں ہوئی۔ وہ تو مجبوری کی بنا پر صرف اور صرف لفظ بول رہا ہے۔ تاکہ وہ مجبور کرنے والے سے بچ سکے جب کہ حضرت عمر کے متعلق صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اُنہوں نے مکرہ کی طلاق کو لغو قرار دیا۔[2]

④ اور جو حضرت حذیفہ اور ان کے والد کا واقعہ سامنے رکھتے ہوئے طلاق کو قسم پر قیاس کیا گیا ہے اور ان دونوں کو مجرد لفظ کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے۔

تو اس کا جواب بھی یہ ہے کہ یہ قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ طلاق میں صرف لفظ کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لیے متکلم کا ارادہ اور اس کے مدلولات کا علم ضروری ہے، کیونکہ شارع نے سوئے ہوئے، بھولنے والے اور پاگل کی طلاق کو واقع نہیں کیا۔[3] اس سے یقیناً ان دونوں کے مابین فرق نظر آتا ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

⑤ اس سے استدلال کہ یہ طلاق مکلّف کی طرف سے ایسے محل میں ہے جس کا وہ مالک ہے لہٰذا اس کی طلاق کی تنفیذ اسی طرح ہوگی جس طرح غیر مکرہ کی ہوتی ہے۔ اس حوالے

---

۱ تہذیب السنن لابن القیم: ۱۸۸/۶

۲ زاد المعاد: ۲۰۶/۵ تا ۲۰۹

۳ ایضاً: ۲۰۵/۵، ۲۰۴

سے ہم اس سے ملتے جلتے دیگر دلائل کا جائزہ لے چکے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکرہ کو غیر مکرہ پر قیاس کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کی تردید دوسرے قول کے دلائل سے بھی ہو جائے گی جو ہم ذکر کرنے والے ہیں۔

مجبوری کی طلاق کے غیر معتبر ہونے پر جمہور کے دلائل

① حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

«لا طلاق ولا عتاق في غلاق»[1]

''زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔''

اور اِکراہ زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور و مکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

② حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہے:

''كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه والمكره''[2]

''دیوانے اور مکرہ کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے۔''

③ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول ہے:

''طلاق السكران والمستكره ليس بجائز''[3]

''مجبوری اور نشے کی حالت میں طلاق جائز نہیں ہے۔''

④ ثابت بن احنف نے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کی اُمّ ولد سے نکاح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب نے مجھے بلایا۔ میں اُن کے ہاں آیا تو وہاں دو غلام کوڑے اور زنجیریں پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے مجھ سے کہا: تو نے میرے باپ کی اُمّ ولد سے میری رضا کے بغیر نکاح کیا ہے۔ میں تجھے موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ پھر کہنے لگا: تو طلاق دیتا ہے یا میں کچھ کروں؟ تو میں نے کہا: ہزار بار طلاق۔ میں اس کے ہاں سے نکل کر عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: یہ طلاق نہیں ہے، اپنی بیوی کے پاس چلا جا۔ پھر میں عبداللہ بن زبیر کے پاس آیا تو اُنہوں نے

---

۱ مسند احمد: ۶/۲۷۶

۲ سنن ترمذی: ۱۱۹۱

۳ صحیح بخاری، ترجمة الباب: باب الطلاق في الغلاق

بھی یہی فرمایا۔[1]

⑤ چونکہ یہ قول زبردستی منوایا جاتا ہے، اس لیے یہ کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا۔[2]

بیان کردہ عمومی دلائل سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

راجح موقف

بیان کردہ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ مکرہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جمہور کے موقف کو ترجیح دینے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① جمہور کے دلائل کا قوی ہونا۔

② احناف کے دلائل کا کمزور ہونا، کیونکہ ان پر اعتراضات وارد ہوئے ہیں۔

③ یہی موقف اُصولِ شریعہ اور قواعد کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس سے بہت سی خرابیوں کا رد ہو جاتا ہے۔ شیخ احمد دہلوی کہتے ہیں:

> ''اگر مکرہ کی طلاق کو طلاق شمار کیا جائے تو اس سے زبردستی کا دروازہ کھل جائے گا اور بعید نہیں ہے کہ کوئی طاقتور اسی دروازہ سے کمزور کی بیوی کو چھین لے۔ جب بھی اس کے دل کو کوئی خاتون بھلی لگے، وہ تلوار کے زور پر زبردستی طلاق دلوائے گا۔ لیکن جب اس قسم کی اُمیدوں کا سدباب کر دیا جائے گا تو لوگ ان مظالم سے بچے رہیں گے جو اکراہ کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں۔''[3]

بہت سے محققین اسی موقف کے حامل نظر آتے ہیں، ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ[4]، ابن قیم[5]، امام شوکانی[6] اور نواب صدیق بن حسن قنوجی[7] شامل ہیں۔

نوٹ: آئندہ شمارے میں غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا شرعی حکم بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

---

۱ مؤطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب جامع الطلاق: ۱۲۴۵

۲ المغنی: ۱۰/۳۵۱، زاد المعاد: ۵/۲۰۴

۳ حجۃ البالغۃ: ۲/۱۳۸

۴ مجموع الفتاویٰ: ۳۳/۱۱۰

۵ زاد المعاد: ۵/۳۰۴

۶ نیل الوطار: ۶/۲۶۵

۷ الروضة الندية: ۲/۴۲